Fikr-o-Nasar (Islamabad) 9:8 (1972)

اسلام میں قانون سازی کے بنیادی اصول

محمد یوسف گورایہ

قرآن نے احکام خداوندی سے انحراف کرنے والے لوگوں کو مغضوب اور گمراہ قرار دیا ھے:

"غیرالمغضوب علیهم ولا الضالین" (۱ : ۷). اور اس کے حسب ذیل دو سبب بیان کئے ھیں:

۱ ۔ انھوں نے دین کے بنیادی اور غیر متبدل اصولوں کی بنیاد پر مختلف اوقات میں مختلف حالات کا سامنا کرنے کے لئے جو وقتی قوانین بنائے تھے، کچھ وقت گذرنے کے بعد انھیں خود بنیادی اور غیر متبدل اصولوں کے برابر قرار دے دیا: فویل للذین یکتبون الکتب بایدیهم ۔ ثم یقولون هذا من عند الله لیشتروا به ثمناً قلیلا فویل لهم مما کتبت ایدیهم و ویل لهم مما یکسبون (۲ : ۷۹) "افسوس ان لوگوں پر اپنے ھاتھ سے (احکام شرع کی) کتابیں لکھتے ھیں پھر (لوگوں سے) کہتے ھیں یہ اللہ کی طرف سے ھے (اور یہ سب کچھ اس لئے کرتے ھیں) تاکہ اس کے بدلے میں ایک حقیر سی قیمت (دنیوی فائدہ کی) حاصل کر لیں پس افسوس اس پر جو کچھ ان کے ھاتھ لکھتے ھیں اور افسوس اس پر جو کچھ وہ اس ذریعے سے کماتے ھیں۔"

۲ ۔ جن اشخاص نے دین کے بنیادی اصولوں کو ایک خاص وقت کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی حالات کے مطابق قوانین و احکام کی شکل میں ڈھالنے کا کام انجام دیا تھا انھیں انبیاء و رسل سے بھی بڑھا کر "رب الارباب" کا درجہ دے دیا۔ اتخذوا احبارهم و رهبانهم ارباباً من دون الله (۹ : ۳۱) "(یہودیوں اور عیسائیوں نے) اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو پروردگار بنا لیا"۔

قرآن نے بتایا کہ اس پورے عمل کے ساتھ یہودی احبار اور عیسائی رھبان کا ذاتی مفاد وابستہ تھا۔ اور انھوں نے یہ پورا چکر صرف اپنے مفاد کے تحفظ کے لئے چلایا تھا۔ مسلمانوں کو اس روش سے متنبہ کرتے ھوئے کہا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا ایھا الذین آمنوا ان کثیراً من الاحبار و الرھبان لیا کلون اموال الناس بالباطل و یصدون عن سبیل اللہ (۹ : ۳۴) '' اے ایمان والو (یہودیوں اور عیسائیوں کے) علماء اور مشائخ میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ھے جو لوگوں کا مال ناحق نا روا کھاتے ھیں اور اللہ کی راہ سے انہیں روکتے ھیں'' اللہ کی راہ سے روکنے کا ایک مطلب یہ ھے کہ وہ ایک وقت کے لئے بنائے گئے قوانین کو ابدی قوانین قرار دیتے ھیں اور جب حالات میں تبدیلی کے باعث وہ قوانین اپنی عملی افادیت کھو بیٹھتے ھیں تب بھی یہ لوگ انسانوں کو ترقی و عروج کے دوسرے قوانین پر چلنے کی بجائے روک روک کر اور گھیر گھیر کر انہیں فرسودہ قوانین کی طرف لانے کی کوشش کرتے ھیں ۔

یہودیوں نے دین کو محض قانون بنا دیا تھا ۔ اور عیسائیوں نے اسے محض اخلاق کی شکل دے دی تھی ۔ یہود و نصاریٰ کی مثال دے کر اللہ تعالی نے مسلمانوں کو اس بات سے متنبہ کیا کہ اقوام پر اس وقت زوال آتا ھے جب وہ وقتی قوانین کو ابدی اصولوں کا مقام دے دیتی ھیں اصولوں کو قوانین کی شکل میں ڈھالنے والے اشخاص کو '' رب الارباب'' کے درجے پر لا بٹھاتی ھیں ۔ اسلام نے غیر متبدل اصولوں اور ان پر بننے والے ھر زمانے کے لئے مختلف قوانین کے درمیان واضح فرق کیا ھے اور انہیں الگ الگ رکھنے کے لئے بین ھدایات دی ھیں ۔ ساتھ ھی ساتھ اصول اور اشخاص میں تمیز کی ھے اور حکم دیا ھے کہ اشخاص خواہ کتنے ھی بڑے کیوں نہ ھوں اشخاص ھی رھتے ھیں ۔ وہ اصولوں کی جگہ نہیں لے سکتے ۔

اسلام میں غیر متبدل ، دائمی اور ابدی صرف '' الدین '' ھے جسے ثبات حاصل ھے ، جو لازوال ھے اور جو زمان و مکان کی قیود سے بالا ھے ۔ اسی دین کو نوح ، ابراھیم ، موسیٰ ، عیسیٰ علیھم السلام پیش کرتے رھے ھیں ۔ ''شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحاً و الذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ'' (۴۲ : ۱۳) اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے وھی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ھم نے (اے رسول) تیرے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجا ھے اور جس کا ھم نے

ابراهیم ، موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا یہ کہ اسی دین کو قائم رکھو اور تفرقہ نہ ڈالو"۔ اور یہی دین نبی آخر الزمان کا دین ہے " ان الدین عند اللہ الاسلام " (۳ : ۱۹) "بلا شبہ دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے"۔ اور اسی دین کی اللہ تعالیٰ نے تکمیل فرمائی ہے۔ " الیوم اکملت لکم دینکم " (۵ : ۳) " آج تمہارے دین کو تمہارے لئے میں نے کامل کر دیا " اور اسی غیر متبدل دین کے تحفظ و نفاذ کے لئے جہاد و قتال کا حکم ہوا ہے " وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للہ " (۸ : ۴۰) " اور تم ان (کفار عرب) سے اس حد تک لڑو کہ فتنہ نہ رہے اور اللہ ہی کا دین رہ جائے"۔

اسلام میں " الدین " کے علاوہ ہر چیز وقتی اور متبدل ہے۔ معاشرت ، معیشت اور سیاست ہر زمانے میں بدلتی ہے۔ جو چیز زمان و مکان کی قیود سے بالا نہ ہو ، وقتی ہوتی ہے۔ اس میں تغیر نا گزیر ہے۔ غیر متبدل اور متبدل یا ابدی اور وقتی کا فرق بیان کرنا سابقہ اقوام کے تجربے کی نسبت سے اسلام کی نظر میں بے حد اہم تھا۔ رسول اکرم ؐ نے اس سلسلے میں اہم اقدامات فرمائے۔ ویسے تو آپ کی پوری زندگی ہی " الدین " کو خرافات سے الگ کرنے میں بسر ہوئی۔ " و یضع عنھم اصرھم و الاغلال التی کانت علیھم " (۷ : ۱۵۷) " اور وہ (رسول ؐ) لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے اتارتا ہے "۔ لیکن آپ کی حیات طیبہ کے چند واقعات بڑے ہی اہم ہیں۔

آنحضرت صلعم مکے جیسے تجارتی شہر سے مدینے جیسے زرعی شہر میں تشریف لائے آپ کو زراعت و باغبانی کا تجربہ نہ تھا۔ ایک دفعہ آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ مذکر کا مؤنث کھجور میں پیوند لگا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے خیال میں اس کا کچھ فائدہ نہیں۔ اگر تم ایسا نہ کرو تو بہتر ہے۔ انہوں نے پیوند لگانا چھوڑ دیا نتیجۃً کھجوریں کم یا گھٹیا پیدا ہوئیں۔ جب آپ ؐ کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ ؐ نے فرمایا : میں بھی تو ایک انسان ہوں۔ جب میں تمہیں تمہارے دین کے بارے میں کوئی حکم دوں تو تم اسے ضرور اپناؤ اور جب میں اپنی ذاتی رائے سے کسی کام کا حکم دوں تو یاد رکھو میں بھی ایک انسان ہوں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا اگر ان لوگوں کو پیوند لگانے سے فائدہ ہوتا ہے ، تو انہیں ایسا کرتے رہنا چاہئے ، کیونکہ جب میں اپنی ذاتی رائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا اظہار کرتا ہوں ، تو میری ذاتی رائے پر مجھے مت پکڑو ۔ لیکن جب میں اللہ کی طرف سے کوئی بیان دوں تو اسے اپنانا تم پر فرض ہے ۔ کیونکہ میں اللہ سے کوئی ایسی بات ہرگز منسوب نہیں کروں گا جو جھوٹ ہو ۔ دوسری روایت میں ہے کہ فصل پکنے پر آپ نے ایک جگہ ردی کھجوریں دیکھیں اور پوچھا تمہاری کھجوروں کو کیا ہوا ۔ انہوں نے جواباً عرض کیا حضورؐ آپ ہی نے تو ایسا کہا تھا ۔ آپ نے فرمایا ۔ انتم اعلم بامر دنیا کم " دنیوی امور کو تم لوگ مجھ سے بہتر جانتے ہو ۔ابن ماجہ میں ہے کہ دنیوی معاملات خود طے کر لو ۔

ہم نے اس واقعہ کو اس لئے تفصیل سے بیان کیا تاکہ اسلامی نقطہ نظر سے غیر متبدل اور متبدل کا فرق وضاحت سے بیان کیا جا سکے ۔ حضور تجارتی شہر میں رہنے کی وجہ سے کاروباری ذرائع سے واقف تھے ، لیکن زرعی قوانین سے آشنا نہ تھے ، حالانکہ تجارت و زراعت دونوں کا تعلق معاش سے تھا ۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ تفصیلی قوانین جن کا تعلق معیشت سے ہو متبدل ہیں ۔

اس واقعہ میں دوسرا نقطہ یہ ہے کہ حضور صلعم کو " جوامع الکلم " یعنی مختصر اور جامع کلمات عطا کئے گئے تھے ، اس لئے بظاہر اگر چہ آپ زراعت کے ایک نقطے پر بات کر رہے تھے ، لیکن در حقیقت آپ ایسے اصولوں کی نشاندھی فرما رہے تھے جن کا تعلق زندگی کے ہر شعبے سے تھا ۔ مثلاً جب آپ کو اطلاع پہنچی کہ کھجوریں گھٹیا پیدا ہوئی ہیں تو آپ نے فرمایا ۔ " ان کان ینفعھم ذلك فلیصنعوہ " اگر (پیوند کاری سے) ان کو فائدہ پہنچتا تھا تو انہیں ایسا کرتے رہنا چاھئے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اصول کہ جس چیز میں فائدہ ہو اسے کرتے رہنا چاھئے صرف زراعت کے لیے مخصوص نہیں بلکہ انسان کی پوری زندگی کو محیط ہے ۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ آپؐ نے جس بات کو مختلف پیرایہ بیان میں بار بار دوھرایا وہ یہ ہے کہ آپ نبی کے علاوہ انسان بھی تھے ۔ اس لئے جب آپؐ نبی کی حیثیت سے حکم دیں تو اس پر سوائے عمل کے چارہ نہیں لیکن جب آپ بحیثیت انسان کوئی حکم دیں تو ایسی صورت میں متعلقہ فرد یا جماعت یا قوم کو اپنے فن ، پیشے اور تجربے کی روشنی میں اس کا جائزہ لینا چاھئے ۔ اگر ایسا محسوس

ہو کہ آپ کی بات ان کے علم و ہنر سے مطابقت نہیں رکھتی ، تو انہیں اختیار ہے کہ وہ اپنے رواج پر قائم رہیں ۔ اس واقعہ میں آپ نے اس بات کو تین مختلف طریقوں سے بیان فرمایا :۔

” فانی انما ظننت ظنا فلا تواخذونی بالظن “ میں نے اپنی ذاتی رائے کا اظہار کیا تھا میری ذاتی رائے پر مجھے مت پکڑو ۔ ” انما انا بشر اذا امرتکم بشی من دینکم فخذو به و اذا امرتکم بشی من رأی فانما انا بشر “ میں بھی ایک انسان ہی ہوں ۔ جب میں تمہیں ” الدین “ کا حکم دوں تو تم پر لازم ہے کہ اسے اپناؤ اور جب میں اپنی ذاتی رائے سے کسی بات کا اظہار کروں تو میں بھی انسان ہوں ۔ اور سب سے آخر میں یہ کہ ” انتم اعلم بامر دنیا کم “ ۔ تم اپنے دنیوی امور کے بارے میں بہتر جانتے ہو ۔

امام مسلم نے یہ حدیث اپنی کتاب صحیح مسلم کی کتاب الفضائل میں بیان کرکے یہ ثابت کر دیا کہ حضور صلعم کی سب سے بڑی فضیلت یہی تھی کہ آپ نے ہمیشہ منصب رسالت اور ذاتی رائے کو الگ الگ رکھا اور جہاں بھی ان دونوں میں اشتباہ کا احتمال ہوا اسے واضح الفاظ میں بیان کر دیا ۔ امام نووی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ” الدین “ اور ”امور معاش“ الگ الگ ہیں ۔ دینی امور کو اپنائے بغیر چارہ نہیں لیکن دنیوی امور میں انسان کی فلاح و بہبود اور قومی ترقی و عروج کے لئے ہر وقت اجتہاد کرتے رہنا بے حد ضروری ہے ۔ اس واقعہ میں منصب رسالت اور ذاتی رائے کی جو وضاحت حضور نے فرمائی وہ دراصل قرآن حکیم کی اس آیت کی تفسیر تھی ” قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی “ (۱۸ : ۱۱) آپ کہدیجئے کہ میں تم ہی جیسا بشر ہوں (البتہ) مجھ پر وحی ہوتی ہے ۔ غیر متبدل اور متبدل کو تحریری آئین میں جسے سرور کائنات نے مہاجرین ، انصار اور یہود کی باہمی مشورت سے تیار کیا تھا اور جسے ”میثاق مدینہ“ بھی کہا جاتا ہے ، بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے ۔ اس معاہدہ میں شریک تمام قبائل کو یہ اجازت دی گئی کہ وہ اپنے قبل از اسلام رواج پر عمل کرتے رہیں ، اس لئے کہ ہر قبیلے کا اپنا رواج تھا اور اس رواج کا تعلق ”الدین“ سے نہ تھا ، چنانچہ میثاق میں شریک ہر قبیلے کا نام لے لے کر مخاطب کیا اور انہیں بتایا کہ وہ اپنے رواج پر قائم رہیں ۔ ” المهاجرون من قریش علی ربعتهم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و بنو عوف علی ربعتھم...... و بنو الحارث علی ربعتھم و بنو ساعدۃ علی ربعتھم ....›› (یعنی ھر قبیلہ اپنے طور طریقوں کے مطابق رھے گا)۔

مندرجہ بالا بحث سے ھم اس نتیجے پر پھنچے کہ اسلام میں غیر متبدل اور متبدل ، ابدی اور وقتی قوانین کھول کر بیان کر دیئے گئے ھیں ۔ غیر متبدل اصول ’’ الدین ‘‘ کی شکل میں پیش کئے گئے ھیں جن میں کسی قسم کے رد و بدل اور ترمیم و اضافے کی گنجائش نہیں اور جو زمان و مکان کی قید سے بالا ھیں ۔ متبدل امور ان معاملات پر مشتمل ھیں جو زمان و مکان کے تغیر سے بدلتے رھتے ھیں جن میں ترمیم و اضافے کی ھر وقت گنجائش رھتی ھے ۔ اس اعتبار سے معاشرت ، معیشت اور سیاست کے بیشتر امور و معاملات متبدل ھیں مختلف اوقات اور مقامات میں متبدل حالات کو غیر متبدل ’’ الدین ‘‘ کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت پیش آتی رھتی ھے اور اس طرح لازوال اصول ’’ الدین ‘‘ ایک وقت کے حالات کی رھنمائی کرنے کے لئے مختلف قوانین کی شکل اختیار کر لیتے ھیں ۔ چنانچہ دائمی اور ابدی اصولوں کی رھنمائی میں مختلف حالات کے مطابق قوانین کے مسلسل ڈھانچے بنتے چلے جاتے ھیں ۔ لیکن ایک وقت کے حالات کے مطابق قانون کا جو ڈھانچہ تیار ھوتا ھے وہ اسی وقت تک کارآمد اور مؤثر رھتا ھے جب تک حالات اپنی شکل میں موجود رھتے ھیں کیونکہ تاریخ کا ایک واقعہ بعینہ کبھی دوبارہ رونما نہیں ھوتا ۔ اسلام ایک عالمگیر دین ھے اس لئے اس کے لازوال و ابدی اور غیر متبدل اصولوں میں ھر وقت اور ھر زمانے کے حالات کے مطابق بہتر سے بہتر قوانین دینے کی صلاحیت موجود ھے ھم دین اسلام کے غیر متبدل اصولوں سے مختلف حالات کے مطابق خوب سے خوب تر قوانین وضع کرنے کو اسلام میں قانون سازی کا نام دیں گے ۔

قانون سازی کا اختیار

اب سوال پیدا ھوتا ھے کہ انسانی زندگی کے ھر شعبہ کو متاثر کرنے والے قانون سازی کے انتہائی اھم عمل کا اختیار کسے حاصل ھے ؟ اور کسی مسلمان ملک میں کون اس کی اھلیت رکھتا ھے کہ وہ پوری قوم کے مجموعی مسائل کا احاطہ کر کے ’’ الدین ‘‘ سے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں اپنے حالات کے

© rasailojaraid.com

مطابق موزوں ترین قوانین وضع کرے ۔ قرآنی تعلیمات اور اسوہ رسول ؐ کی روشنی میں ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں قانون سازی کا اختیار پوری مسلمان قوم کو حاصل ہے ۔ سب مسلمان مل کر ہی اپنے تمام مسائل کا پوری طرح احاطہ کر سکتے ہیں اور وہی کامیابی کے ساتھ ''الدین'' سے اپنے لئے موزوں ترین قوانین بنانے کی اہلیت رکھتے ہیں ۔ اب ہم قرآن و سنت کی روشنی میں اس بیان کی تصدیق پیش کرتے ہیں ۔ پوری امت مسلمہ میں سے انفرادی طور پر اگر یہ اختیار کسی کو حاصل ہو سکتا تھا تو اس کے سزاوار صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو سکتے تھے ۔ لیکن قرآن کی صریح ہدایت کے مطابق آپ کو اس بات کا پابند کر دیا گیا کہ آپ تمام دنیوی امور میں مسلمانوں کو مشاورت میں شریک کریں : ''وشاورھم فی الامر'' (۳ : ۱۵۸) یعنی (دنیاوی) امور میں ان سے مشورہ کیا کرو ۔ اس حکم میں تین باتیں غور طلب ہیں :

(۱) ''شاورھم'' میں ضمیر ''ھم'' سے مسلمانوں کا کوئی خاص طبقہ مراد نہیں ۔ بلکہ یہ ضمیر آپ کے عہد کے تمام مسلمانوں پر محیط ہے ۔

(۲) ''الامر'' زندگی کے کسی ایک شعبہ سے متعلق نہیں بلکہ یہ دنیوی امور کے تمام شعبوں پر محیط ہے ۔

(۳) یہ حکم خود ذات رسول ؐ مقبول کو ہو رہا تھا جن پر شب و روز وحی کا نزول ہو رہا تھا ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود سید المرسلین اور افضل البشر بحکم خداوندی (دنیاوی امور میں) امت سے مشاورت کے پابند تھے ۔ قرآن حکیم کے اس صریح حکم سے معلوم ہوا کہ قانون سازی کا اختیار مجموعی طور پر تمام مسلمانوں کو حاصل ہے ۔

قرآن نے ایک دوسرے حکم میں اس کی مزید وضاحت کی ہے ''وامرھم شوریٰ بینھم'' (۴۲ : ۳۸) یعنی مسلمانوں کے تمام معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں ۔ امر سے مراد تمام ملکی و ملی معاملات ہیں ۔ اور شوریٰ سے مراد حل طلب مسئلے پر تمام مسلمانوں کی آپس میں مشورت ۔ اس آیت میں ''ھم'' کی ضمیر بطور تاکید دو دفعہ آئی ہے ۔ ''امرھم'' اور ''بینھم'' دونوں جگہ اس سے مراد کسی ایک وقت اور مقام کے تمام مسلمان ہیں ۔ کوئی خاص مراعات یافتہ طبقہ یا خاندان یا گروہ یا فرد ہرگز اس کا مخاطب نہیں ہو سکتا ۔

© rasailojaraid.com

تیسری آیت میں یہ حکم یوں بیان ہوا۔ و اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (۴ : ۵۸) اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جنہیں تم نے کاروبار حکومت سونپ رکھا ہو۔ اس آیت میں ''منکم'' سے مراد مسلمان قوم میں سے ایسے افراد ہیں جن پر پوری قوم کو اعتماد ہو اور وہ اس وقت تک حکومت میں رہیں جب تک کہ قوم کا اعتماد ان پر قائم رہے۔ ایک اور آیت میں یہ حکم ''منھم'' کے الفاظ میں دھرایا گیا ''اولی الامر منھم'' ان چاروں آیتوں کو ایک ساتھ رکھ کر پڑھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ''ھم'' اور ''کم'' میں جمع قدر مشترک ہے۔ اور قانون سازی کے اختیار کے نقطہ نظر سے یہی قدر بنیادی ہے۔ اور یہ امر بدیہی ہے کہ ان ضمیروں سے مراد پوری مسلمان قوم ہے۔ لہذا اسلام میں قانون سازی کا حق و اختیار پوری مسلمان قوم کو حاصل ہے۔

اب ایک دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا پوری قوم کا ہر فرد اس میں براہ راست حصہ لے؟ یا کسی نمائندہ مجلس قانون ساز کے ذریعے اپنے اس اختیار کو استعمال کرے؟ قرآنی تعلیمات اور اسوہ رسول صلعم سے اول الذکر طریقے کی تائید ہوتی ہے۔ اور اگر حالات اس کے لئے سازگار نہ ہوں تو کسی ایسے نمائندہ قانون ساز ادارے کی مدد لی جا سکتی ہے، جو پوری قوم کی صحیح نمائندگی کی ضمانت دے۔

عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ کے ابتدائی ایام میں (مدینے کے) سب مسلمان قانون سازی میں براہ راست حصہ لیتے تھے۔ طبری کی روایت کے مطابق جب بھی کوئی مسئلہ در پیش ہوتا تو ''الصلوۃ جامعہ'' کی ندا پر مدینے کے سب لوگ مسجد نبوی میں جمع ہو جاتے اور حل طلب مسئلہ پر بحث میں شرکت کرتے۔ اس روایت کے مطابق حضرت عمر کے عہد تک سب لوگ اسی طرح جمع ہوتے رہے۔ عہد رسالت میں ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر صحابی کو یہ آزادی تھی کہ وہ جب چاہتا انفرادی یا اجتماعی طور پر آپؐ کے سامنے اپنی رائے کا اظہار کرتا۔ بلکہ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کبھی آپؐ کوئی حکم دیتے تو صحابی پوچھتے: کیا یہ دینی امر ہے جس پر ہمیں ہر صورت عمل کرنا ہے یا یہ آپ کی ذاتی رائے ہے جس پر بحث کی ہمیں آزادی حاصل ہے؟ جب آپ وضاحت فرماتے کہ یہ دینی امر نہیں تو صحابی اس پر آپ سے

بحث کرتے۔ تاریخ میں ایسے کئی واقعات درج ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے بحث کے دوران اپنی تجویز واپس لے لی۔

مثلاً جنگ احد سے پہلے میدان جنگ کے انتخاب کا مسئلہ درپیش تھا آپ کی رائے تھی کہ جنگ شہر میں قلعہ بند ہو کر لڑی جائے لیکن صحابہ کی اکثریت کی رائے کھلے میدان میں لڑنے کے حق میں تھی۔ آپؐ نے محض اکثریت کی رائے کے احترام کے طور پر احد کے میدان میں جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ جنگ خندق کے دوران آپ کی تجویز تھی کہ کھجوروں کی پیداوار کا ایک تہائی حصہ بنوغطفان کو دے کر انہیں لشکر قریش سے کاٹ لیا جائے لیکن انصار مدینہ نے آپ سے پوچھا: کیا یہ کوئی دینی امر ہے کہ ہم اس میں بول نہیں سکتے؟ یا یہ آپ کی اپنی رائے ہے؟ آپ نے فرمایا یہ میری ذاتی رائے ہے اس پر انہوں نے کہا کہ ہم نے اس وقت بھی ان لوگوں کو ایک کھجور نہیں دی تھی جب ہم مشرک تھے۔ تو کیا اب ہمیں یہ گوارا ہے کہ توحید کے ماننے کے بعد ان لوگوں کو اپنی پیداوار کا ایک تہائی حصہ دے دیں۔ آپؐ نے اپنی تجویز واپس لے لی اور صحابہ کے مشورے پر عمل فرمایا۔ مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو نماز کے لئے جمع کرنے کے کسی طریقہ کے بارے میں مشورہ ہوا مدینے میں اکثر لوگوں نے مختلف مشورے دئے۔ آخر ایک صحابی کے مشورہ پر اذان کا طریقہ رائج ہوگیا۔

ان چند واقعات سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی۔ کہ عہد رسالت میں سب مسلمان اپنے حق قانون سازی کو براہ راست استعمال کرتے تھے یہ ضرور ہے کہ بعض دقیق مسائل کے حل کے لئے آنحضرت صلعم جماعت صحابہ میں سے بعض زیرک، معاملہ فہم اور زیادہ سمجھدار صحابہ سے بطور خاص مشورہ فرماتے لیکن یہ خصوصی مجلس مشاورت کسی خاندانی، موروثی اور پیدائشی حق کی بنا پر نہیں تھی بلکہ اس کا معیار تھا ”ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم“ یعنی تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔ مدینے سے باہر جن قبائل نے اسلام قبول کیا وہاں بھی قبیلے کے ہر فرد کو براہ راست حق قانون سازی حاصل تھا۔ اس ضمن میں یہ وضاحت کر دی جائے کہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا حضورؐ نے ہر قبیلے کے قبل از اسلام رواج کو بعض اسلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجیحات کے ساتھ جاری رہنے کی اجازت دے رکھی تھی ۔ اس لئے ہر قبیلہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں شیخ قبیلہ کی سرکردگی میں اپنے روز مرہ کے معاملات کو طے کرتا رہتا تھا ۔

عہد خلافت راشدہ کے ابتدائی ایام میں بھی تقریباً یہی طریقہ رائج رہا رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد سب سے پہلا واقعہ خلیفہ کے انتخاب کا تھا ۔ تاریخ عرب میں یہ واقعہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا ۔ اب تک تمام قبائل اپنے اپنے قبیلہ کا سردار چنا کرتے تھے ۔ پہلی دفعہ انہیں ایک ایسی امت کے لئے امیر منتخب کرنا پڑا جو تمام عرب قبائل پر مشتمل تھی ۔ اس ضمن میں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ مدینے سے باہر اکثر قبائل نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا تھا بلکہ زیادہ صحیح بات قرآن کی زبان میں یہ ہے کہ انہوں نے محض اسلام کی بالادستی کو قبول کیا تھا ۔ ایمان ان کے دلوں میں ابھی تک داخل نہیں ہوا تھا " قالت الاعراب آمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم " (۴۹ : ۱۴) یعنی عرب کے گنواروں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے ۔ (اے رسول) کہہ دے تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم (مخالفت چھوڑ کر) مطیع ہوگئے ۔ ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ۔ اس اعتبار سے خلیفہ کے انتخاب میں صرف مدینے کے لوگ ہی شریک ہوسکتے تھے ۔ چنانچہ سب انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے ۔ مہاجرین بھی وہاں پہنچ گئے ۔ بعض مہاجرین معذوری کی بنا پر نہ جا سکے ۔ بہر حال اطلاع سب کو پہنچ گئی تھی ۔ اس طرح مدینے کی پوری آبادی نے اس انتخاب میں براہ راست حصہ لیا ۔

حضرت ابوبکر کے عہد میں جیش اسامہ اور مانعین زکوۃ کے خلاف جہاد کے فیصلے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ خلیفہ کو اتنا اختیار حاصل تھا کہ وہ شوریٰ کے مشورے کی پابندی نہ کرے ۔ یہ بات حقائق سے مطابقت نہیں رکھتی ، یہ درست ہے کہ ان دونوں موقعوں پر تجویز خلیفہ کی طرف سے ہوئی ۔ لیکن یہ درست نہیں کہ مجلس شوریٰ کی اکثریت کی مخالفت کے باوجود ان پر عمل ہوگیا ۔ حقیقت یہ ہے کہ خلیفہ کی تجویز پر زبردست بحث ہوئی ۔ موافق اور مخالف ہر قسم کے دلائل پیش ہوئے ۔ یہ اتفاق ہے کہ خلیفہ

کی رائے صائب تھی ۔ اس لئے اکثریت کو ان کا ساتھ دینا پڑا ۔ مانعین زکوۃ کے خلاف جہاد پر جب بحث ختم ہوئی تو حضرت عمر نے جو اس رائے کے مخالف تھے اعتراف کیا کہ حضرت ابوبکر کی رائے اعلیٰ تھی اور اللہ نے میرا سینہ بھی اس بات کے لئے کھول دیا جس پر حضرت ابوبکر مصر ہوئے تھے ۔ اس طرح جمع قرآن کے مسئلہ پر خلیفہ اس تجویز کے مخالف تھے لیکن بعد میں مخالف کے قوی دلائل کے سامنے اپنی تجویز واپس لے لی اور جمع قرآن کا حکم دے دیا ۔ یہ چند مثالیں اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ حضرت ابوبکر خلیفہ اول کے عہد میں سب مسلمان اپنا حق قانون سازی براہ راست استعمال کرتے تھے ۔

حضرت عمر کے عہد خلافت میں بھی قانون سازی کا یہ طریقہ اسی طرح جاری رہا ۔ مسجد نبوی اس کا مرکز تھی ۔ خلافت کے اطراف و اکناف سے آنے والے مسائل براہ راست سب مسلمانوں کے سامنے پیش ہوتے تھے ۔ اور ہر مسلمان کو رائے دینے کا حق حاصل تھا ۔ عراق میں سواد کا علاقہ فتح ہوا تو مسلمانوں میں اس بات پر اختلاف پیدا ہوگیا کہ زرخیز زمین کا اتنا بڑا قطعہ مسلمانوں کی ذاتی ملکیت میں دے دیا جائے یا سب کی اجتماعی ملکیت میں رہے ۔ عبدالرحمن بن عوف ، زبیر بن عوام اور بلال بن رباح اس موقف کے حامی تھے کہ زمین ذاتی ملکیت میں دے دی جائے کیونکہ اس زمین کے حقدار وہی ہیں جن کی تلواروں نے اسے فتح کیا ہے ۔ امیر المؤمنین کے ساتھ دوسرے صحابہ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ زمین اجتماعی ملکیت میں رکھ کر اس کی آمدنی کو فوج اور اور باقی مسلمانوں کی فلاح پر خرچ کیا جائے ۔ آپؓ کے مخالفین فتح خیبر پر حضورؐ کی مثال پیش کرتے کہ آپ نے مفتوحہ اراضی فاتحین میں تقسیم کر دی تھی ۔ امیر المؤمنین کی نظر میں اب حالات بدل چکے تھے ۔ اس وقت دوسرے اصحاب کے ساتھ مہاجرین کو مدینے کے نواح میں غیر منقولہ جائیداد دینا ضروری تھا جب کہ اب صورت حال بدل چکی تھی ۔ یہ بحث ایک عرصہ تک جاری رہی ۔ مدینے کی پوری آبادی اس میں شریک ہوئی ۔ کبھی اجلاس عام ہوتا اور کبھی خاص ۔ کبھی صرف مہاجرین کا اجلاس ہوتا کبھی صرف انصار کا ، کبھی دونوں کا مشترک ۔ غرض مشاورت کا کوئی ایسا معلوم طریقہ نہ تھا جس پر آپ نے عمل نہ کیا ہو ۔ آخر کار زبردست بحث کے بعد قرآن حکیم کی ایک آیت کے مطابق یہ فیصلہ ہوا کہ ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقت کے مسلمانوں کے ذرائع آمدنی میں جو اس وقت زیادہ تر زمین کی صورت میں تھے نہ صرف ان سب مسلمانوں کا حق ہوتا ہے جو اس عہد میں زندہ ہوں بلکہ بعد میں آنے والے مسلمان بھی برابر کے شریک ہوتے ہیں اور ایسا صرف اسی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے جب کہ ذرائع آمدنی اجتماعی ملکیت میں ہوں۔ اس لئے سواد عراق کی زمینیں اجتماعی ملکیت میں لے لی گئیں۔

یہ واقعہ بھی حضرت عمر ہی کے عہد کا ہے کہ آپ نے خطبہ جمعہ میں بڑے بڑے مہر باندھنے کی مخالفت کرنا چاہی کہ ایک بڑھیا اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی کہ یہ اختیار آپ کو کس نے دیا ہے جب کہ قرآن یہ کہتا ہے کہ اگر تم ان عورتوں میں سے کسی کو ڈھیروں سونا دے دو تو بھی اس میں سے کچھ واپس نہ لو (۴ : ۲۰) حضرت عمر نے بڑھیا کا شکریہ ادا کیا اور اس کی رائے کی تائید کی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے دور میں مسلمان اپنے حق قانون سازی کو براہ راست استعمال کرتے تھے۔ یہ درست ہے کہ آپؐ نے خلافت کے دور دراز علاقوں سے آنے والے مسائل کے حل کے لئے بقول بلاذری کبار صحابہ کو بطور مشیر خاص مدینے میں پابند کر رکھا تھا جن کا کام یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے عام اجلاس کے بعد امیر المؤمنین کو ماہرانہ مشورے کے ذریعے مسئلہ کو قانونی شکل دینے میں مدد دیں۔ اس طرح اگر آج کی اصطلاح میں مسجد نبوی کو قومی اسمبلی مسلمانوں کے اجتماع کو اجلاس عام اور خصوصی مشاورتی کونسل کو اجلاس خاص سے تشبیہہ دی جائے تو شاید دور از قیاس نہ ہو۔

حضرت عثمان کے عہد میں عراق۔ ایران۔ شام۔ فلسطین۔ مصر وغیرہ مفتوحہ علاقوں کے بیشتر حصوں میں مکمل امن و امان قائم ہوچکا تھا۔ مفتوحہ اقوام کے باشندے اسلام بھی قبول کرنے لگے تھے۔ اب ایک طرف یہ لوگ قدیم اور اعلیٰ تہذیبوں کے وارث تھے۔ اور دوسری طرف اسلامی تعلیمات میں اخوت و مساوات کی تعلیمات کی وجہ سے ان میں اقتدار میں شرکت کا احساس پیدا ہونا فطری امر تھا ان حالات میں اس بات کی ضرورت تھی کہ عربوں اور غیر عربوں کے تعلقات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جاتا دونوں کی نفسیات کے گہرے تجزئے کے بعد ایک جامع و مربوط طریق قانون سازی اختیار کیا جاتا۔ ایسے حالات میں کسی

با اختیار نمائندہ مجلس قانون ساز کے انتخاب کے لئے کسی ایسے طریقے پر عمل کیا جا سکتا ہے جس میں سب مسلمانوں کی نمائندگی کی ضمانت دی گئی ہو۔ لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ مرور ایام کے ساتھ ساتھ غیر عربوں میں احساس محرومی بڑھتا گیا جس کی وجہ سے مرکز میں ضعف آنے لگا۔ پھر بعض واقعات ایسے رونما ہوئے جن کی وجہ سے خود عربوں میں خانہ جنگیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگیا جو حضرت عثمان کی شہادت سے لے کر عبد اللہ بن زبیر کی شہادت تک جاری رہا۔ ۷۳ ھ میں عبدالملک بن مروان کے بر سر اقتدار آنے تک حالات کا نقشہ بالکل بدل چکا تھا۔ ''الدین'' اور دنیوی امور میں جو توازن و توافق عہد رسالت سے عہد فاروق کے اختتام تک قائم تھا بالکل ختم ہوگیا۔ دنیوی امور دینی عنصر پر غالب آگئے۔ اور قانون سازی کا اختیار جو سب مسلمانوں کو براہ راست حاصل تھا بالواسطہ بھی باقی نہ رہا۔ ان حالات نے بعض مسلمانوں کو اپنی ذاتی حیثیت سے قانون سازی پر ابھارا۔ چنانچہ خلافت کے بڑے بڑے شہروں میں ''الدین'' کو حالات حاضرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے مختلف قوانین کی صورت میں ڈھالنے کا کام شروع ہوا، اس طرح عراق کے شہر کوفہ میں امام ابو حنیفہ، شام کے شہر دمشق میں امام اوزاعی، حجاز کے شہر مدینہ میں امام مالک، مصر میں لیث بن سعد و علی ھذا القیاس مختلف فقہاء کی سرکردگی میں قانون سازی کے مراکز قائم ہوگئے۔ ایک طرف خلفاء کاروبار خلافت چلانے کے لئے قانون سازی کرتے تھے اور دوسری طرف فقہاء ان مراکز میں اسی کام میں مشغول تھے۔ اس طرح پوری خلافت قانون سازی کے دھرے نظام میں بٹ گئی۔

یہ فقہاء اپنی جگہ ایک دوسرے سے ربط و واسطہ رکھے بغیر '' الدین '' کی روشنی میں معاشرت، معیشت اور سیاست کے پیش آمدہ معاملات کو قانونی شکل دینے لگے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری خلافت فقہی و قانونی اختلافات کا شکار ہوگئی۔ بنو عباس کے خلیفہ ابو جعفر المنصور کے سٹیٹ سکریٹری ابن المقفع نے ان اختلافات کی شدت پر ایک جامع رپورٹ مرتب کی اور خلیفہ کو مشورہ دیا کہ وہ اس قانونی انتشار کی فضا میں ایک جامع قانون مرتب کریں۔

خلیفہ نے امام مالک کو اس کام کے لئے دعوت دی جنھوں نے موطا تیار کی جسے خلیفہ نے بہت پسند کیا اور پوری خلافت میں نافذ کرنا چاہا لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام مالک اس پر رضا مند نہ ہوئے۔ کیونکہ یہ کتاب صرف حجاز کے حالات کے پیش نظر مرتب کی گئی تھی۔ اس لئے آپ کے خیال میں یہ پوری خلافت کے سب صوبوں کے لئے موزوں نہ تھی کیونکہ ھر صوبے کے حالات ایک دوسرے سے مختلف تھے جو امام صاحب کے سامنے نہ تھے۔ بنو عباس نے حالات سے مجبور ھوکر قانون میں وحدت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کے لئے انہوں نے جو طریقہ اختیار کیا وہ اس کا متحمل نہ تھا۔ کسی فرد کی آراء کو پوری خلافت کے ھر علاقے پر منطبق نہیں کیا جا سکتا تھا، اس سے جہاں عباسی خلفاء کی کوتاہ نظری کا پتہ چلتا ھے وھاں امام مالک کی بصیرت اور وسعت نظری کا اعتراف کرنا پڑتا ھے۔

صدر اسلام کے ان فقہاء کے وضع کردہ قوانین اپنے اپنے علاقوں کے حالات کے مطابق ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ اس لئے یہ سوال پیدا ھونا فطری امر ھے۔ کہ ان مختلف مقامی قانونی ڈھانچوں کے اختلاف کی نوعیت کیا تھی؟ کیا ان کی بنیاد میں اختلاف تھا؟ یا بنیاد کے مشترک ھونے کے باوجود حالات کے اختلاف کی وجہ سے قانون میں اختلاف پیدا ھوگیا تھا؟ حقیقت یہ ھے کہ بنیاد کے مشترک ھونے کے باوجود حالات کے اختلاف کی وجہ سے قانون میں اختلاف پیدا ھوگیا تھا۔ یہی وجہ ھے کہ عراق کی فقہ شام کی فقہ سے مختلف تھی اور حجاز کی فقہ مصر کی فقہ سے مختلف تھی۔ اس جگہ یہ بات قابل غور ھے کہ اگر ایک ھی وقت میں مختلف علاقوں کے مختلف حالات کی بنا پر قوانین مختلف ھوسکتے ھیں تو کیا جب نہ وہ حالات رھیں نہ وہ مقتضیات، تو وہ قوانین اسی طرح مؤثر رھیں گے؟ جیسا کہ ھم نے اوپر دیکھا، ایسا ھونا محال ھے۔ سوائے "الدین" کے کوئی قانون غیر متبدل نہیں۔ قرآن کی شہادت کے مطابق جو انسان غیر متبدل اصولوں کی بنیاد پر متبدل قوانین تیار کرتے ھیں اور بعد میں ان قوانین کو عین "دین" قرار دیتے ھیں "مغضوب" ھوتے ھیں۔

لیکن چونکہ اسلام آخری اور مکمل دین ھے اس لئے غضب و ضلال سے بچنے کے لئے اس میں مختلف ھدایات دے دی گئی ھیں اور سابقہ اقوام کی گمراھی کے اسباب بیان کر کے صراط مستقیم پر چلتے رھنے کے تمام اصول بتا دئیے گئے ھیں۔ اس لئے اگر کچھ لوگ گمراہ بھی ھو جائیں تو ان ابدی اصولوں کی

موجودگی میں کچھ لوگ ضرور راہ حق پر رہیں گے۔ ہم پر لازم ہے کہ تعمیر نو کے اس دور میں ہم ''الدین'' کو اپنا رہنما تسلیم کریں اور اس کی راہنمائی اور روشنی میں اپنے حالات حاضرہ کا جائزہ لیں اور زبردست اجتہادی قوت کے ذریعے ''الدین'' کے مطابق خوب سے خوب تر قوانین تلاش کریں۔ ضرورت صرف اجتہادی قوت کی ہے اجتہاد اقوام کی حیات ہے اور تقلید ان کی موت۔

علامہ اقبال نے ایسے ہی موقع پر کہا تھا :۔

کیش او تقلید و کاوش آذری ست ندرت اندر مذهب او کافری است

تازگیہا وهم و شک افزایدش کہنه و فرسوده خوش مے آیدش

چشم او بر رفته از آینده کور چون مجاور رزق او از خاک گور

اجتہاد کی تعریف میں اللہ تعالی نے فرمایا '' والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا '' (۲۹ : ۶۹) یعنی جو لوگ راہ حق کی تلاش میں جد و جہد کرتے ہیں ہم انہیں بےشمار راہیں سجھاتے ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ ان بےشمار نئی نئی راہوں میں سے مسلمان اپنے لئے ان قوانین کا انتخاب کرتے ہیں جو ان کے حالات کے مطابق سب سے احسن ہوتے ہیں۔ '' الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ '' (۳۹ : ۱۸) جو لوگ باتوں کو (بغور) سنتے ہیں اور ان میں سے بہترین کی پیروی کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اجتہاد زندہ اور متحرک اقوام کا شیوہ حیات ہے اور تقلید عقلی، فکری اور ذہنی بانجھ پن کی دلیل ہے۔ مسلمانوں میں یہ اجتہادی قوت ہی تھی جس کے ذریعے انہوں نے پہلے پورے جزیرہ عرب کی قدیم عقل و فکر کو ''الدین '' کے معیار پر پرکھ کر اس میں سے قابل عمل اور جاندار عناصر کو اپنے نظام کا حصہ بنا لیا اور فرسودہ قوانین و ضوابط کو مسل کر پھینک دیا۔ اور بعد میں اسی اجتہادی قوت سے ابتدائی فقہاء نے اپنے اپنے علاقے کی قدیم تہذیبوں کا مجتہدانہ تجزیہ کیا۔ اور حمورابی سے لے کر روسی قوانین تک جو کچھ ان کے علاقوں میں موجود تھا اس کے مفید اجزاء کو فقہ اسلامی میں سمو لیا۔ اور ناکارہ اور فرسودہ قوانین کے پلندے کو مؤرخین کی طبع آزمائی کے لئے چھوڑ دیا۔ اب وقت آگیا ہے کہ مسلمان پھر خدائی حکم : '' فاستبقوا الخیرات '' (۵ : ۴۸) یعنی بہترین کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو، کے تحت اچھے، اعلیٰ، موزون اور خوب سے خوب تر قوانین کی تلاش کریں اور ''الدین'' کو راہ نما بنا کر حالات حاضرہ کا حل ڈھونڈیں۔

© rasailojaraid.com